© rasailojaraid.com

ندیم شفیق ملک

راولپنڈی

اپریل - جون ۱۹۹۹ء کے ''عالم اسلام اور عیسائیت'' میں قائداعظمؒ کا انٹرویو دیکھ کر ازحد خوشی ہوئی۔ دراصل غیر منقسم ہندوستان میں اقلیتی مسئلے پر مسلمانوں سے بڑھ کر کسی نے کام نہیں کیا، چوں کہ جو حقوق وہ اپنے لیے طلب کرتے تھے، وہی دوسرے غیر مسلموں کو دینے کے لیے تیار تھے۔ مسلمانوں سے بڑھ کر وسیع القلبی کا مظاہر کسی دوسرے مذہبی گروہ نے نہیں کیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا ریکارڈ اس سلسلے میں کی جانے والی کوششوں کی تفاصیل سے بھرا پڑا ہے جس کے تفصیلی مطالعے کی ازحد ضرورت ہے---

[عالم اسلام اور عیسائیت] میں انٹرویو کی تاریخ غلط چھپ گئی ہے۔ یہ انٹرویو ۱۹ اگست ۱۹۴۱ء کو ہوا تھا، اور ''صدق'' کے ۱۹ جنوری ۱۹۴۲ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔

محمد اسلم رانا

مدیر ماہنامہ ''المذاہب'' - لاہور

اپریل - جون ۱۹۹۹ء کے شمارے میں جناب ملک معراج خالد کا مختصر مقالہ ''جذبہ اخوت اور ہمارے حقوق'' نظر سے گزرا۔ مصنف کئی برس سے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی - اسلام آباد کے ریکٹر ہیں--- اقلیتی اور بالخصوص مسیحی حقوق کے بڑے علم بردار ہیں۔ ان کا مضمون پڑھ کر یہ تاثر ملتا ہے کہ پاکستان میں اقلیتیں پریشان حال ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں ''--- ہم نے ایک پاکستان بنایا تھا اور آج بہت سے لوگ ہماری مسلم اکثریت سے نالاں تو نہیں؟''

وطنِ عزیز پاکستان کی اقلیتوں میں مسیحی برادری زبردست منظم اور مستعد وفعّال ہے۔ ذرا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذراسی بات پر آسمان سر پر اٹھالیتی ہے اور اپنی مزعومہ وخود ساختہ حالتِ زار کا ڈھنڈورا پیٹتی اور عالمی ذرائع ابلاغ، ایمنسٹی انٹرنیشنل، مغربی طاقتوں اور اقوام متحدہ تک آواز پہنچاتی ہے۔ مسیحی اقلیت کے ''مسلم اکثریت سے نالاں'' ہونے کا سبب اُس کے زعم میں بنیادی انسانی، اقلیتی، عالمی اور اقوام متحدہ کے منظور کردہ حقوق سے اس کی محرومی ہے۔ مسیحی چاہتے ہیں کہ اقلیتی افراد بھی وزیر اعلیٰ، گورنر، وزیر اعظم اور صدر مملکت بن سکیں، انہیں کلیدی عہدوں پر فائز کیا جانا چاہیے۔

مسیحی اقلیت اسلامی قوانین کی شدید معاند ومخالف ہے۔ انہیں علی الاعلان امتیازی قوانین اور کالے قوانین کہتی ہے۔ اسلامی قوانین کو انسانی حقوق کی پامالی، بربریت اور اقلیتوں کے سر پر لٹکتی تلوار قرار دیتی ہے۔ قانون تحفظِ ناموسِ رسالت کی حد درجہ دشمن ہے، وطنیت کو قومیت کی بنیاد مانتی اور مسلم قومیت، دوقومی نظریہ اور جداگانہ انتخابات کی انتہائی مخالف ہے۔ پاکستان میں اسلام اور مسلمانی کا تذکرہ بھی سننے کو تیار نہیں ہے، اسلام کے مقدس نام پر حاصل کیے گئے اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نام ''عوامی جمہوریہ پاکستان'' رکھنا اور پاکستان کو سیکولر سٹیٹ دیکھنا اس کا منتہائے مقصود ہے۔

پاکستان کا ایک معقول و بااثر طبقہ مسیحی اقلیت کو واقعی مظلوم سمجھتا ہے، حالانکہ پاکستان میں جتنے حقوق اور رعایتیں اقلیتوں کو میسّر ہیں، خود مسیحی ممالک میں بھی ان کی نظیر نہیں ملتی۔

کہ یہی حکم خدا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی مانتا ہے کہ اس کا اخذ کردہ حکم ظنی ہے قطعی نہیں۔ کیونکہ اس کے استنباط کے مبانی ظنی مقدمات سے حاصل شدہ ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ جس چیز کو وہ بیان کرتے ہیں وہ پست ترین مقدمات (اخس المقدمتین) کے تابع ہے۔

ان دو اقوال کے درمیان بہت فرق ہے ایک یہ کہ اسلام حقیقتِ مطلق کا مالک ہے اور دوسرا یہ کہ مجتہدین حقیقتِ مطلق کے حامل ہیں۔ یہ کہنا کہ مجتہد کی رائے حقیقتِ مطلق ہے مصوبہ کا عقیدہ ہے لیکن فقہا خصوصاً شیعہ امامیہ فقہا تصویب کا عقیدہ نہیں رکھتے اور اپنے آپ کو مصیب قطعی نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھتے۔ کیونکہ ہمارے یہاں مشہور ہے کہ ''ان اللہ حکماً واحداً یصیبہ من یصیبہ ویخطاہ من یخطاہ'' (یعنی خدا کا ایک ہی حکم ہے جس نے اسے دریافت کرلیا، اس نے دریافت کیا اور جس نے دریافت نہیں کیا اس نے غلطی کی ہے۔)

کبھی تو مجتہد اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ جو چیز اس نے اجتہاد کے ذریعہ اخذ کی ہے اس کے بارے میں اس پر حجت تمام ہوگئی ہے۔ یہ کہنے اور حکم کو قطعی اور حتمی سمجھنے میں بہت فرق ہے۔ لیکن اگر اس کے برعکس کہا جائے (کہ مجتہد نے جو رائے اخذ کی ہے وہ حتمی اور قطعی ہے) تو پھر مجتہدین کی آراء میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی کیا تفسیر کی جائے گی؟ بنابرایں کس طرح ممکن ہے کہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کی صرف اس بنا پر تکفیر کرے کہ اس نے استنباط میں غلطی کی ہے؟ (جبکہ یہ بھی معلوم ہو کہ اس نے استنباط کے دوران اجتہاد کے معروف طریقوں کو اختیار کیا ہے)

ایسے لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی رائے حقیقتِ مطلق ہے وہ کم وبیش پسماندہ ذہنیت کے مالک ہیں کیونکہ وہ اس جانب بھی متوجہ نہیں ہوتے کہ ان کے عمل کا اسلوب ظنی ہے قطعی اور یقینی نہیں ہے۔

اس بنا پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ بہت سے مسلمان محققین (خواہ وہ فقہ سے متعلق ہوں یا کلام سے) کی مشکل یہ ہے کہ وہ فقہی یا کلامی اختلاف کے بارے میں افراط کا شکار ہو جاتے ہیں۔

سوال: کیا ہم قرآنِ کریم یا دوسرے اسلامی مصادر سے آزادی کا مفہوم معلوم کر سکتے ہیں؟

جواب: انسان کی فکری آزادی کے مسئلہ کو قرآنِ حکیم سے بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ کلام الٰہی میں آیا ہے کہ ''وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیومن ومن شاء فلیکفر'' (اور کہہ دو کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے، اب جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔ سورہ کھف ۱۸- آیت ۲۹) ''اناھدینٰہ السبیل اما شاکرا واما کفورا'' (یقیناً ہم نے اسے راستے کی ہدایت دے دی ہے چاہے وہ شکر گزار ہو جائے یا کفران کرنے والا ہو جائے۔ سورہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انسان ۷۶-آیت ۳)

بنا برایں انسان سوچ بچار، فکر ورائے میں آزاد ہے اور انسان کی صورت میں اس کی تخلیق اسی صورت میں بامعنی بھی۔ ہے۔ اس بنیاد پر آزادی انسان کی ذات سے جدا اور علیحدہ کوئی چیز نہیں کہ جسے دوسری ایسی چیزوں کو مانند چھینا جاسکے یا اس کے لیے ممنوع کی جاسکے (جو اس سے علیحدہ ہیں)۔ یہ انسان کے لیے ایک ذاتی امر ہے کیونکہ خداوند عالم نے اسے آزاد خلق کیا ہے۔

البتہ ایک دوسرا مسئلہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ خداوند عالم انسان کی آزادی کا قائل ہونے کے بعد اسے یہ بھی باور کرتا ہے کہ یہ آزادی بے لگام آزادی نہیں بلکہ ذمہ داریوں کے ہمراہ ہے اور اسے اس آزادی سے استفادہ کے مثبت اور منفی نتائج کا جوابدہ ہونا پڑے گا۔

اسی طرح یہ بھی طبیعی ہے کہ ہر نظام کو معاشرے میں عمومی نظم ونسق کی حفاظت کے لیے آزادی کے نتیجے میں سامنے آنے والے مثبت اور منفی نتائج پر گہری نگاہ رکھنی چاہیے کیونکہ بسا اوقات ایک شخص کی آزادی دوسرے لوگوں کی آزادی کے لیے ضرر رساں ہوتی ہے۔

البتہ اگر فکری آزادی سے یہ مراد لی جائے کہ لوگوں کو اپنے ہر طرح کے افکار حتیٰ ایسے افکار کی نشر واشاعت کی بھی آزادی دی جاوے جو عقیدتی، شرعی یا مفہومی اعتبار سے اسلام یا اسلامی نظام کی مخالفت پر مبنی ہوں تو ایسی فکری آزادی کے معاشرے پر مثبت یا منفی اثرات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس مسئلہ پر تحقیق اور مطالعہ کی ضرورت ہے۔

ہمارے بہت سے فقہاء نے کتبِ ضلال کو پڑھنے، (سوائے اس صورت میں جب ان کا مطالعہ کر کے ان کی رد کرنا مقصود ہو) انہیں محفوظ رکھنے، اور ان کی نشر واشاعت کے حرام ہونے کے بارے میں گفتگو کی ہے اور یہ استدلال کیا ہے کہ عقل کہتی ہے کہ ان کتب کی حفاظت اور نشر و اشاعت باطل کی تقویت اور حق کی کمزوری کا سبب ہوتی ہے جبکہ ان کتب کو محدود اور نابود کرنا حق کی تقویت اور باطل کی کمزوری کا سبب ہوتا ہے اور عقل کی نظر میں حق کو تقویت دینا اور باطل کو کمزور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنا واجب ہے۔

لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ بہت سے فقہاء اپنے ظن وگمان ہی کو قرین عقل قرار دیتے ہیں۔ ہر ایک اسی چیز کو عقلی سمجھتا ہے جسے اس کی ذہنیت اور تعلیم و تربیت عقلی قرار دیتی ہے۔ حتیٰ ہم ایسے موارد بھی دیکھتے ہیں جب ایک فقیہ کسی ایک چیز کو عقلی سمجھتا اور دوسرا فقیہ اس کے یکسر برخلاف چیز کو عقل کا فیصلہ قرار دیتا ہے۔

میرے خیال میں پرانے زمانے میں ایسے حالات تھے کہ لوگ افکار کو محبوس کرنے اور فکری آزادی سلب کرنے میں ایک حد تک کامیاب ہو جایا کرتے تھے کیونکہ اس وقت دنیا ایک محدود اور تنگ چاردیواری میں محصور تھی اور عالمی سطح پر کسی فکر کی نشر و اشاعت ممکن نہ تھی اور قدرتی بات ہے کہ ایک فکر پر دباؤ اس کی کمزوری کا سبب ہوتا ہے۔ لیکن آج دنیا ایک چھوٹے سے دیہات میں تبدیل ہو چکی ہے اور فکری آزادی کا مسئلہ ایک ایسے مسئلہ کی صورت میں ڈھل چکا ہے جو عالمی پیمانے پر انسانی حقوق میں سے سمجھا جانے لگا ہے اور کسی فکر و پر دباؤ اور شدت کا استعمال اسے عالمی تشہیر کا موقع فراہم کر دیتا ہے (چاہے وہ فکر اس کی مستحق نہ ہو) جبکہ اگر اسے آزاد چھوڑ دیا جاتا تو بہت کم لوگ اس کی جانب متوجہ ہوتے۔ اگر اسلامی عقیدہ اور تعلیمات کی حفاظت کے لیے سرگرم عناصر کسی ایسی فکر سے روبرو ہوں تو انہیں چاہیے کہ وہ بجائے دباؤ اور حملوں کے اسے دلیل و برھان سے رد کرنے کی کوشش کریں۔ بنابرایں ہمارے خیال میں اگر اس مسئلہ کا غور اور گہرائی کے ساتھ عصر حاضر کے حالات کے مدنظر رکھتے ہوئے مطالعہ کیا جائے تو پتا چلے گا کہ کسی فکر پر جبر اور دباؤ کا استعمال اس کی تقویت اور اس کے مخالفوں کی کمزوری پر منتج ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف فکر کو آزاد چھوڑ دینا اس کے اثرات کی کمی اور اس کی سرگرمیوں کا دائرہ تنگ ہو جانے کا موجب ہوتا ہے اور بسا اوقات تو لوگ ان کی باتوں پر کان دھرنے کو بھی تیار نہیں ہوتے چہ جائیکہ ان کی جانب کوئی رخ کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم نے لبنان، مصر اور عراق میں ہونے والے تجربہ کی بنا پر دیکھا ہے کہ ایسی کتابیں جن میں دین پر تنقید کی گئی ہے جب دینی حلقوں نے ان کے خلاف مہم چلائی تو ان کتابوں کی مانگ میں اضافہ ہوا اور ان کے کئی کئی ایڈیشن طبع ہوئے ہیں حتیٰ ایسے لوگوں نے بھی ان کی خرید اجن کی سطح کی یہ کتب نہ تھی۔ کیونکہ ایسی صورت میں ان کتب کی پیشانی پر آزادیٔ اظہار کا لیبل چسپاں ہو گیا تھا۔ مثلاً مصر میں ایک مصنف ہے جس کا نام ''نصر حامد ابو زید'' ہے اس کی کتابیں بہت کم پڑھی جاتی تھیں۔ اس کے چاہنے والے بھی کم تھے۔ لیکن جب اس کی فکر کو روکنے کی کوشش ہوئی تو اس کی کتابوں کے ایڈیشن چھپنے لگے حتیٰ ایسے لوگوں نے بھی اس کی کتابوں کو خرید ا اور انہیں پڑھا جو اس کے نام تک سے واقف نہ تھے۔ دوسرا تجربہ عراق اور لبنان کی کمیونسٹ پارٹی کا ہے۔ یہ پارٹی عراق میں سخت دباؤ میں تھی لیکن اس کے باوجود پورے عراق پر چھا گئی۔ اس کے برخلاف لبنان میں کمیونسٹ پارٹی کو مکمل آزادی حاصل تھی لیکن تقریباً ستر برس بعد بھی وہ ایک مختصر گروہ کے سوا کسی کو جذب نہ کر سکی کیونکہ لوگ مظلوم کے طرفدار ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی کتاب آزادانہ طور پر بازار میں آتی ہے تو بسا اوقات تو اس کا پہلا ایڈیشن ہی فروخت نہیں ہو پاتا اور اس کے بیشتر نسخہ اسٹور ہی میں پڑے رہ جاتے ہیں۔

بنا بر ایں آزادیٔ فکر کی بحث میں ہمیں آزادی دینے یا آزادی سے منع کرنے کے مثبت اور منفی نتائج کا گہری نظر سے جائزہ لینا چاہیے اور حکمِ عقل کے تحت مطلق پیمانہ پر اس کے بارے میں سوچنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ مسائل کے حقیقی اثرات کے بارے میں غور و فکر کرنا چاہیے خیالی اثرات کے بارے میں نہیں۔

© rasailojaraid.com